نقد و استدراک

تکرار
قرآن کا ایک اہم اسلوب

ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی

تحقیقات اسلامی ۳: ۴ اکتوبر ۸۴ء کے شمارے میں جناب عبید اللہ فہد فلاحی کا ایک مضمون "تکرار — قرآن کا ایک اہم اسلوب (افکار فراہیؒ کا مطالعہ)" کے عنوان سے نظر سے گزرا۔ مضمون پڑھ کر پہلا تاثر جو قائم ہوا وہ یہ کہ مضمون نگار پر سخت عجلت کی کیفیت طاری ہے۔ اسی عجلت کی بنا پر دوسری کمزوریوں کے ساتھ عربی اشعار کے اردو ترجمہ میں بعض ایسی فاش غلطیاں ہوئی ہیں جن کی توقع مضمون نگار سے نہیں کی جا سکتی تھی اور خود انھیں ان پر تعجب ہوگا۔ زیر نظر تبصرہ میں انہی کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ تبصرہ تین حصوں پر مشتمل ہے: پہلا حصہ مضمون کے عنوان سے متعلق ہے، دوسرے میں تحقیق و ترجمہ کی غلطیوں کو درست کیا گیا ہے، اور تیسرے میں حوالوں پر گفتگو کی گئی ہے۔

(الف)

مضمون کا عنوان جیسا کہ گزر چکا یہ ہے: "تکرار — قرآن کا ایک اہم اسلوب (افکار فراہیؒ کا مطالعہ)"
ل
(۱) "تکرار" کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ مضامین کی تکرار جسے "تصریف آیات" کہتے ہیں، یا بعض سورتوں میں بعض آیات کی تکرار جسے "ترجیع" کہتے ہیں، یا بعض الفاظ کی تکرار؟ مضمون نگار نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے اور نہ اس طرح کی کوئی تقسیم ہی کی ہے۔ مضمون پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "تکرار" سے مراد یہ ساری چیزیں ہیں، لیکن ذہن میں واضح نہ ہونے کے سبب لکھنے میں خلط ملط ہو گئیں۔ چنانچہ تمہید "تصریف آیات" پر ہے، اور مثال میں سورہ قمر، سورہ مرسلات اور سورہ رحمٰن کی "ترجیعات" کو پیش کیا گیا ہے اور (ص ۴۱۹-۴۲۴) چھ صفحات میں ان کی تشریح کرنے کے بعد (ص ۴۲۵) کفران نعمت کے سلسلہ میں سورہ یونس اور سورہ زمر کی ملتی جلتی دو آیتوں کا مطالعہ کیا گیا ہے جن کا تعلق اصلاً تمہید کے مضمون سے ہے اور ص ۴۱۹ پر انھیں آنا تھا۔ پھر ایک عنوان قائم کیا ہے (ص ۴۲۹): "کیا تکرار کا یہ اسلوب بنی اسرائیل کے لیے خاص تھا؟" ظاہر ہے یہاں "تکرار" سے مراد جیسا کہ جاحظ اور

ابوہلال عسکری کے اقتباس سے واضح ہے تفصیل واطناب اور مضامین کی تکرار ہے۔ اس کے بعد دو عنوانات (۱) "جاہلی شعرا اس اسلوب سے مانوس تھے" (ص ۴۳۰) (۲) "اس اسلوب کے بعض فوائد" (ص ۴۳۴) ہیں اور دونوں کا تعلق تکرار لفظی سے ہے۔

(۲) عنوان میں قوسین کے درمیان "افکارِ فراہی کا مطالعہ" لکھا گیا ہے۔ مضمون نگار کے نزدیک ان الفاظ کا مطلب کیا ہے معلوم نہیں۔ لیکن راقم السطور کے نزدیک اس مضمون کے عنوان میں یہ ضمیمہ قطعاً بے محل ہے۔ اس لیے کہ "افکار فراہی کا مطالعہ" کا مطلب یہ ہے کہ:

۱۔ اس مضمون میں مولانا فراہی کے افکار متعین طور پر ان کی کتابوں سے پیش کئے جائیں گے۔

۲۔ پھر ان کا "مطالعہ" کیا جائے گا، یعنی یہ جائزہ لیا جائے گا کہ مولانا کے یہ افکار اپنے اندر کتنی جدت وندرت رکھتے ہیں، مفسرین اور علمائے بلاغت نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے کیا مولانا نے اس پر کچھ اضافہ کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس اضافہ کی قدر وقیمت متعین کی جائے گی، نیز قرآن مجید میں جہاں جہاں تکرار ہے وہاں مولانا کے ان خیالات کا انطباق کر کے ان کی معنویت واضح کی جائے گی۔

مگر یہاں یہ عالم ہے کہ قاری کو مولانا فراہی کے بنیادی افکار کا ہی علم نہیں ہو پاتا۔ پورا مضمون پڑھ جائیے کہیں سے اس کا پتہ نہ چل سکے گا کہ مولانا کی رائے کیا ہے؟ قدم قدم پر قدیم وجدید کتابوں کے حوالے ملیں گے مگر مولانا فراہی کا حوالہ صرف دو جگہ نظر آئے گا، پہلی جگہ ص ۴۲۱ پر "دیباچہ تفسیر سورہ اخلاص" کا جو اصل بحث سے غیر متعلق ہے۔ دوسری جگہ ص ۴۳۰ پر سورہ کافرون میں (لا اعبد ما تعبدون) الآیہ کی تکرار کے سلسلہ میں مولانا کی تفسیر کا، گویا پورے مضمون میں جو (۴۱۸ — ۴۴۲) پچیس صفحات پر مشتمل ہے اور جس میں مولانا فراہی کے افکار کا مطالعہ کیا جا رہا ہے، خود مولانا کا یہی ایک حوالہ پایا جاتا ہے۔ اس اقتباس میں مولانا نے پہلے یہ عام اصولی بات لکھی ہے کہ قرآن "میں کہیں بے فائدہ تکرار نہیں پائی جاتی وہ ہر تکرار کے ساتھ کسی جدید فائدہ کا اضافہ ضرور کر دیتا ہے"۔ پھر آیت کی تشریح کی ہے۔

تکرار کے سلسلہ میں (اور میری مراد لفظی تکرار ہے) مولانا کے یہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جسے ان کا "فکر" کہہ سکیں تو وہ نفیس بحث ہے جو انھوں نے تفسیر سورہ مرسلات کی ابتدا میں "سورہ کے مواقع ترجیع سے متعلق ایک اصولی بحث" کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس بحث میں "ترجیع" کے بارے میں بعض اصولی و نظری باتیں کہی گئی ہیں پھر ان کی روشنی میں خاص سورہ مرسلات کی ترجیع "ویل یومئذ للمکذبین" کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس اسلوب کی خصوصیات پر تفصیلی بحث کے لیے تفسیر سورہ رحمٰن کا حوالہ دیا گیا ہے افسوس ہے مجموعۂ تفاسیر فراہی کے مترجم مولانا امین احسن اصلاحی نے اس پر کوئی حاشیہ نہیں لکھا جس سے

معلوم ہوتا کہ مولانا فراہی نے سورہ رحمٰن کی تفسیر مکمل یا نامکمل لکھی تھی یا نہیں اور اگر یہی بحث جوں کی توں نقل کر دی ہوتی تو قارئین کم ازکم مولانا کے افکار سے واقف ہو جاتے. تعجب ہے کہ سورہ مرسلات کی ترجیع کی تشریح میں انھوں نے مولانا کی تفسیر کی جانب رجوع کیا مگر غالباً عجلت میں اس پوری فصل کو جسے اس بحث کی اساس ہونا چاہیے تھا نظر انداز کر دیا. مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی یہ قیمتی بحث ذیل میں نقل کر دی جائے تاکہ قارئین کو ترجیع کے سلسلہ میں مولانا کے خیالات سے آگاہی ہو جائے. مولانا لکھتے ہیں:۔

"یہ سورہ ترجیع والی سورتوں میں سے ہے. اس میں (ویل یومئذ للمکذبین) کا فقرہ دس مرتبہ دہرایا گیا ہے. اس اسلوب کی خصوصیات پوری تفصیل کے ساتھ سورہ رحمٰن میں بیان ہو چکی ہیں، یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے. صرف ایک خاص امر کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ ترجیع کی خوبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مواقع کے لحاظ سے نہایت بامعنی اور پوری طرح موزوں ہو اور جو بات اس سے اوپر بیان ہوئی ہے اس سے پورا پورا لگاؤ رکھتی ہو، اس اعتبار سے ترجیع کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ مختلف پہلوؤں کی جامع ہو تاکہ مختلف مطالب کے ساتھ لگ سکے. چنانچہ یہ آیت (ویل یومئذ للمکذبین) اپنے اندر مختلف پہلو رکھتی ہے اور اسی وجہ سے مختلف مواقع کے لیے ٹھیک ٹھیک موزوں ہو گئی ہے اس کے اسلوب اور اس کے تین لفظوں میں کافی وسعت ہے. ذیل میں ہم اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں.

۱. اس کا اسلوب ایسا ہے کہ اس میں انشا اور خبر دونوں ہونے کی صلاحیت اور دونوں کا احتمال موجود ہے، خبر یہ اسلوب کا مقصد یا تو اس امر کا بیان ہوگا کہ ان منکرین کے لیے ہلاکت اور خرابی ثابت ہے، جیسا کہ فرمایا:۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ (البقرہ: ۷۹)	پس ان کے لیے خرابی ہے اس چیز کے باعث جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور اس کے سبب جو وہ کماتے ہیں.

یا ان کے اس قول کا بیان مقصود ہے جو وہ قیامت کے دن کہیں گے. ان کا یہ قول قرآن مجید میں مختلف جگہ نقل ہوا ہے: مثلاً:

قَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ	وہ کہیں گے ہائے ہماری بدبختی! یہ تو قیامت

الـدِّيۡنِ (الصافات ۲۰)	کا دن ہے۔

دوسری جگہ ہے :۔

قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ	وہ کہیں گے ہائے ہماری بدبختی! ہم کو ہماری
مَّرۡقَدِنَا (یٰس : ۵۲)	قبروں سے کس نے اٹھایا۔

لفظ "ویل" کی تکرار میں بھی ایک خاص راز ہے۔ اگر اس سے محض یہ مفہوم لیا جائے کہ ان کے لیے خرابی کا بیان ہے تب تو اس تکرار کا یہ فائدہ ہوگا کہ اس سے اسباب ویل کی کثرت واضح ہوگی اور اگر یہ قیامت کے دن ان کے قول کی نقل ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے اس دن اس کے بہت سے مواقع پیش آئیں گے اور وہ ہر موقع پر اپنی بدبختی کا ماتم کریں گے۔ بعض آیات سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً فرمایا:

وَاِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَيِّقًا	اور جب وہ ڈال دیئے جائیں گے اس کی
مُّقَرَّنِيۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا ۝	کسی تنگ جگہ میں باندھ کر، پکاریں گے اس
لَا تَدۡعُوا الۡيَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا وَّ	وقت ہلاکی کو۔ آج ایک ہی ہلاکی کو نہ پکارو،
ادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا كَثِيۡرًا ۝ (الفرقان ۱۴)	بہت سی ہلاکیوں کو پکارو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دن ہلاکت کے اسباب اور مواقع دونوں ہی بے شمار ہوں گے

ب ۔ لفظ "ویل" خود ایک جامع لفظ ہے، وہ تمام چیزیں اس کے تحت آگئیں جو خرابی کا سبب ہو سکتی ہیں۔ غم، حسرت، پریشانی، عذاب قیامت، ہر چیز پر یہ حاوی ہے۔ بعض جگہ قرآن مجید میں اس چیز کی تصریح کر دی جاتی ہے جو "ویل" کا سبب ہوگی مثلاً

ويل للكافرين من عذابٍ	اور خرابی ہے کافروں کے لیے عذاب سخت
شديد	کے سبب سے۔

دوسری جگہ ہے :۔

فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ	پس خرابی ہے ان کے لیے اس چیز کے باعث
وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ	جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور اس چیز کے
(بقرہ : ۷۹)	سبب جو وہ کماتے ہیں۔
فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ	پس ہلاکی ہے کافروں کے لیے ان کے اس
يَّوۡمِهِمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ (الذاریات)	دن کے سبب جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

الغرض لفظ "ویل" کسی خاص امر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اوپر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ چونکہ اس کے اسباب بہت سے ہوں گے، اس لیے اس کے مواقع بھی بہت سے آئیں گے۔

ج۔ "یومئذ" کا لفظ ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس دن ایسا ایسا ہوگا، پس اس کے حدود کی تعیین موقع کے لحاظ سے ہوگی۔

د۔ "مکذبین" کا لفظ ایک جامع لفظ ہے۔ اصلاً یہ حشر و نشر اور آیات توحید کے انکار کے لیے آیا ہے لیکن تفصیلات میں رسول اور کتاب اللہ کی تکذیب بھی اس میں داخل ہے قرآن مجید نے جا بجا ان تمام پہلوؤں کی تصریح کر دی ہے۔ اور بعض آیات میں اس امر کو بھی واضح کر دیا ہے کہ جو اصل کا منکر ہوگا وہ لازماً اس کے فروع اور تفصیلات کا بھی منکر ہوگا۔ مثلاً فرمایا:

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا	اور جب تم قرآن سناتے ہو تو ہم ڈال دیتے
بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ	ہیں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جو
بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا	آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ
وَّجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً	پردہ، اور ڈال دیتے ہیں ان کے دلوں پر
أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ	غلاف کہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں
وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي	بہرا پن پیدا کر دیتے ہیں اور جب تم قرآن میں
الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ	اللہ کو تنہا ذکر کرتے ہو تو یہ نفرت کے ساتھ
أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ○ (الاسراء: ۴۵۔۴۶)	پیچھے بھاگ گئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ وہ قیامت اور توحید کے منکر ہیں اس وجہ سے لازماً اس چیز کا سننا بھی ان پر شاق ہے جو ان چیزوں کی طرف ان کو دعوت دیتی ہے۔

یہاں یہ اجمالی اشارہ کافی ہے۔ اپنے مقام پر پورے شرح و بسط کے ساتھ اس کی تفصیل موجود ہے۔

اس روشنی میں آیات ذیل کا ظاہری اشارہ تو منکرین قیامت ہی کی طرف ہوگا لیکن سورہ کی آیات اس کے ایک اور پہلو تکذیب قرآن کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہیں،

اور حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں میں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آیت ترجیع کے متعدد پہلو ہیں۔ پس سیاق و سباق سے جو پہلو زیادہ لگتا ہوا ہو گا اختیار کر لیا جائے گا۔ یہ اصولی بحث بطور مقدمہ ذہن نشین رکھنی چاہیے۔ ہم آگے موقع موقع کے اعتبار سے آیت کے مختلف پہلوؤں میں سے جو پہلو اقرب ہو گا اس کو بیان کر دیں گے"[۱]

(ب)

(۱) تکرار کے سلسلہ میں جاہلی شعراء کے کلام سے جو مثالیں دی گئی ہیں ان میں پہلی مثال ص ۷ پر عبید بن الابرص الاسدی کے ان دو شعروں کی ہے:

نحمی حقیقتنا وبعض القوم یسقط بین بینا
ھلا سألت جموع کندۃ اذ تولوا این اینا

"ہم اپنی حقیقت کی حفاظت کرتے ہیں جبکہ بعض قومیں کمزور اور بزدل ثابت ہوتی ہیں"

۱۔ "حقیقۃ" کا لفظ اس شعر میں اردو کی "حقیقت" کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے یہاں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی حفاظت اور دفاع آدمی پر فرض ہے، مثلاً عورتیں، بچے، پڑوسی وغیرہ۔ جب کہتے ہیں: "فلان یحمی حقیقتہ، حامی الحقیقۃ - من حماۃ الحقائق" تو یہی معنی مراد ہوتا ہے[۲] "نحمی حقیقتنا" کا ترجمہ یہ کیا جائے تو ایک حد تک مفہوم ادا ہو جائے گا: "ہم اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرتے ہیں"۔

۲۔ "بعض القوم" کا ترجمہ "بعض قومیں" صحیح نہیں بلکہ "بعض الناس" کے معنی میں ہے جیسا کہ شعر کی دوسری روایت میں ہے یعنی "بعض لوگ" ہونا چاہیے۔

۳۔ ترجمہ کے بعد مضمون نگار لکھتے ہیں:

"یہاں ان دونوں اشعار میں شاعر نے "این این" اور "بین بین" کی تکرار کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے استعمال کی ہے"۔

---

[۱] مجموعہ تفاسیر فراہی ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی، انجمن خدام القرآن لاہور ۱۳۹۳ھ: ۲۲۴-۲۲۶

[۲] حماسۃ ابی تمام شرح المرزوقی تحقیق عبدالسلام ہارون و احمد امین، لجنۃ التألیف والترجمہ، قاہرہ ۱۳۸۶ھ: ۱: ۲۷۱، المفضلیات شرح الانباری، بیروت، ۱۹۲۰ء: ۷۰۷۔ اساس البلاغۃ، زمخشری، دارالمعرفۃ بیروت (حق)

"این این" کے بارے میں تو یہ بات درست ہے مگر "بینَ بینَ" کی تکرار کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ دونوں لفظوں کو ملا کر ایک لفظ بنا دیا گیا ہے اور اس مرکب لفظ "بینَ بینَ" کے جو معنی ہیں وہ صرف "بین" سے ادا نہیں ہوتے، اسی لیے ان میں سے کسی کو حذف نہیں کر سکتے جبکہ "این این" میں تکرار ہے اور دوسرے کو حذف کیا جا سکتا ہے۔

لسان العرب (بین) میں ہے:

"ھذا الشیٔ بینَ بینَ" ای	یہ چیز "بین بین" ہے یعنی اچھی اور خراب
بین الجید والردی، وھما	کے درمیان ہے۔ یہ دو اسم ہیں جن کو ایک
اسمان جعلا واحدا وبنیا	قرار دے کر مبنی بر فتحہ کر دیا گیا۔
علی الفتح	

اردو میں بھی ہم درمیانی چیز کو "بین بین" کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن قتیبہ نے تاویل مشکل القرآن میں اور باقلانی نے اعجاز القرآن میں تکرار کے سلسلہ میں صرف دوسرا شعر نقل کیا ہے جس میں "این این" کی تکرار ہے۔ مضمون نگار نے اعجاز القرآن کی یہ بحث دیکھی ہے چنانچہ عوف بن عطیہ کے شعر کے لیے (جو آگے آ رہا ہے) اس کا حوالہ نہیں دیا لیکن ابن قتیبہ کا تو حوالہ بھی دیا ہے پھر اس پر کیوں غور نہیں کیا کہ ابن قتیبہ اور باقلانی نے یہ ایک ہی شعر کیوں نقل کیا جبکہ "بین بین" میں اگر تکرار تھی تو اسے بھی نقل کرنا چاہئے تھا کہ اسی شعر سے پہلے اور متصل تھا۔

(۲) تکرار کی دوسری مثال میں ص ۷۰ ہی پر عوف بن عطیہ کا یہ شعر یوں لکھا ہے:

وکادت فزارۃ تصلی بنا   فأولی فزارۃ أولی فـزارۃ

(الف) خط کشیدہ کو تائے مربوطہ کے بجائے الف سے "فزارا" لکھنا چاہیے۔ مضمون نگار نے اس شعر کے لیے جن مآخذ کا حوالہ دیا ہے ان سب میں صحیح "فزارا" لکھا ہے۔ مضمون نگار نے سیبویہ اور الصاحبی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ سیبویہ نے اس شعر سے استشہاد "ترخیم" کے مسئلہ پر کیا ہے یعنی منادی کے آخر سے ایک یا دو حرف کو کم کر دینا۔ اسی طرح ابن فارس نے الصاحبی میں یہ شعر "باب القبض" میں نقل کیا ہے اور "قبض" کی تعریف کی ہے: النقصان من عدد الحروف یعنی لفظ سے بعض حروف کا کم کر دینا۔

(ب) عبید اللہ فہد صاحب نے اس شعر کا یہ ترجمہ کیا ہے:

"قریب تھا کہ فزارہ ہم سے سکون اور ہمدردی حاصل کرتی۔ افسوس ہے فزارہ پر افسوس

ہے فزارہ پر۔"

اس ترجمہ میں متعدد غلطیاں ہیں:۔

۱۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ "فزارہ" کو شاعر کی محبوبہ یا بیوی بہرحال عورت تصور کیا گیا ہے جیسا کہ "حاصل کرتی" سے ظاہر ہے۔ حالانکہ "فزارہ" ایک قبیلہ کا نام ہے۔

۲۔ دوسری غلطی جو نہایت تعجب خیز اور افسوسناک ہے وہ یہ کہ "تصلی" (صاد سے) کا ترجمہ "سکون اور ہمدردی حاصل کرتی" کیا گیا۔ یعنی اسے "تسلی" (سین سے) سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ "صلی فلان النار و بالنار" آگ میں داخل ہونے اور جلنے کے معنی میں عام ہے اور قرآن مجید میں مختلف شکلوں میں بیس بار سے زائد استعمال ہوا ہے۔ صرف پارہ عم میں سات بار آیا ہے۔ یہیں سے "صلی بفلان و صلی لبشر فلان" کے معنی ہیں: کسی کی شر انگیزی کا شکار ہونا۔ سیبویہ اور الصاحبی میں "تصلی" کے بجائے "تشقی" ہے جس کے معنی بدبختی اور شامت آنے کے ہیں۔ کسی وجہ سے اگر "تصلی" کو سمجھنے میں غلطی ہو گئی تھی تو "تشقی" رہنمائی کے لئے کافی تھا۔

۳۔ "اُولی" یہاں اظہار افسوس کے لیے نہیں بلکہ تنبیہ اور تہدید کے لیے ہے، "لك" محذوف ہے۔

۴۔ "فزارہ" یہاں غائب نہیں بلکہ مخاطب ہے۔ ترکیب میں منادی ہے، اور اس مصرعہ میں "التفات" کا اسلوب ہے۔ سندوبی کی شرح المفضلیات میں "فزارةَ" (فتحہ کے ساتھ) غلط ہے "فزارةُ" (ضمہ کے ساتھ) ہونا چاہیے۔

تبریزی اس شعر کی شرح میں لکھتے ہیں:

"تصلی بنا" أی تُمنی لبشرنا۔ و "فزارة" منادی مفرد۔ و "أولی فی موضع المبتدأ، وخبره محذوف۔ کأنہ قال: أولی لك۔ والکلام وعید وتکریر "أولی" تاکید للوعید[۱]

طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ مضمون نگار نے سیبویہ کا حوالہ دیا ہے اور اسی کے حاشیہ پر الاعلم الشنتمری کی یہ شرح موجود ہے:

یقول: کدنا نوقع بفزارة فتشقی بنا لولا فرارھم وتحصنھم منا یعنی شاعر کہتا ہے کہ اگر فزارہ نے راہ فرار اختیار نہ کی ہوتی اور خود کو محفوظ نہ کر لیا ہوتا تو قریب تھا کہ ہم ان کو تباہ و

---

[۱] شرح المفضلیات۔ تحقیق محمد البجاوی۔ دار نہضۃ مصر: ۱۳۸۸۔

برباد کر دیتے اور ہمارے ہاتھوں ان کا برا حال ہوتا)

سیرافی نے بھی اسی سے ملتی جلتی شرح لکھی ہے[1]۔ مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں مفضلیات کی روایت کے مطابق جس میں "تصلی" ہے شعر کا ترجمہ یوں ہوگا:

قریب تھا کہ قبیلۂ فزارہ ہماری (جنگ کے شعلوں کی) لپیٹ میں آتا (مگر بچ گیا) سو

خبردار اے اہل فزارہ خبردار (اب ہمارے منہ نہ لگنا)

(۳) تکرار کی تیسری مثال میں ص ۱۷ پر مہلہل بن ربیعہ کا مشہور رائیہ قصیدہ پیش کیا ہے، جو اپنے بھائی کلیب کی موت پر اس نے کہا تھا۔ اس قصیدہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ پہلا قصیدہ ہے جس میں تیس اشعار ہیں اور ترجیع کا بند دس بار استعمال کیا گیا ہے۔"

"ترجیع کے بند" سے مضمون نگار کی مراد ایک مصرعہ "علی أن لیس عدلا من کلیب" کی تکرار ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس تحقیق کا ماخذ کیا ہے؟ کیسے معلوم ہوا کہ یہ قصیدہ صرف تیس اشعار پر مشتمل ہے اور یہ تکرار صرف دس شعروں میں ہے۔ مضمون نگار نے اس قصیدہ کے لیے جن مآخذ کا حوالہ دیا ہے وہ بالترتیب انھیں کے لفظوں میں یہ ہیں:

۱۔ القالی ابوعلی، کتاب الامالی ۲/۱۲۹

۲۔ مہذب الاغانی ۱/۱۹۰

۳۔ فواد افرام البستانی، المہلہل ۱۹۳۹ء ص: ۶-۷

جب ہم ان مذکورہ مآخذ کی جانب رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ امالی اور مہذب میں بے شک اشعار کی تعداد تیس ۳۰ ہے مگر بستانی کی کتاب میں (جس کا حوالہ سن طباعت کے ساتھ دیا گیا ہے اور وہی اصل ماخذ ہے) قصیدہ کے کل اشعار کی تعداد پینتیس ۳۵ ہے[2]۔

۲۔ تکرار والے اشعار کی تعداد بستانی میں بیشک دس ہے۔ مگر امالی اور مہذب میں صرف سات ہے، اور ان سات میں سے چار اشعار بستانی میں نہیں ہیں، جبکہ بستانی کے پانچ اشعار سے امالی اور مہذب خالی ہیں۔

---

[1] شرح أبیات سیبویہ، تحقیق محمد علی سلطانی، دار المامون، دمشق ۱۹۷۹ء۔ ۲: ۲۱

[2] بستانی کی کتاب المہلہل مجھے یہاں نہیں مل سکی۔ اس کے حوالہ کے لیے میں برادرم ابوسعد اصلاحی صاحب علی گڑھ کا ممنون ہوں۔

۳۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خود مضمون نگار کے مذکورہ مآخذ میں قصیدہ کے کل اشعار کی تعداد (۳۵+۴ = ۳۹) انتالیس ہوئی اور تکرار کے اشعار (۱۰+۴ =۱۴) چودہ بار آئے ہیں۔

۴۔ مزید براں اسی بستانی کی کتاب میں جہاں سے مضمون نگار نے اشعار نقل کئے ہیں، پہلے ہی شعر پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

"قال أبو هلال العسكري: إن المهلهل يكرر هذا الشطر في اكثر من عشرين بيتا"[۱] (ابو ہلال عسکری نے لکھا ہے کہ مہلہل نے اس مصرعہ کی تکرار بیس سے زائد اشعار میں کی ہے!

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے!

اور سنئے۔ امالی الیزیدی میں اس قصیدہ کے اکتالیس اشعار منقول ہیں[۲]۔ اور علامہ عبد العزیز میمنی نے لکھا ہے کہ کتاب البسوس میں یہ قصیدہ پچاس اشعار پر مشتمل ہے[۳]۔ افسوس ہے یہ کتاب ہمارے سامنے نہیں ہے اس لیے یہ بتانا ممکن نہیں کہ متعین طور پر تکرار کتنے شعروں میں ہے۔ بہر حال اس تفصیل سے اتنا تو معلوم ہو ہی گیا کہ مہلہل کے اس قصیدہ میں تیس کے بجائے پچاس اشعار ہیں اور مصرعہ کی تکرار دس کے بجائے بیس سے زائد اشعار میں وارد ہوئی ہے۔

(۴) مہلہل کے مذکورہ اشعار میں جس مصرعہ کی تکرار ہوئی ہے وہ یہ ہے:

على أن ليس عدلا من كليب

اس مصرعہ کا ترجمہ پہلے اور دوسرے شعر میں یہ کیا گیا ہے:

۱۔ قاتل کا کلیب سے کیا مقابلہ ہو سکتا تھا۔

۲۔ قاتل کلیب کا ہمسر ہی نہیں تھا۔

یہی ترجمہ صحیح ہے۔ اس کے بعد تیسرے شعر سے لے کر دسویں شعر تک یعنی باقی آٹھ اشعار میں اس مصرعہ کا ترجمہ بالکل غلط ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۳۔ کلیب کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔

---

[۱] دیکھئے کتاب الصناعتین، دار الکتب العلمیہ، بیروت: ۲۱۳۔ یہ کتاب بھی مضمون نگار کے مآخذ میں سے ہے۔

[۲] امالی الیزیدی طبع حیدرآباد، تصویر عالم الکتب بیروت: ۱۲۰

[۳] سمط اللآلی، دار الحدیث، بیروت، طبع دوم، ۱۴۰۴ھ: ۷۵۴

۴۔ کلیب کی کوئی نظیر نہ تھی۔
۵۔ کلیب کا حریف بننا ممکن نہ تھا۔ الخ

(۵) اب پہلا شعر ملاحظہ ہو:

علی أن لیس عدلا من کلیب إذا خاف المغار علی المغیر

ا۔ یہ شعر امالی اور مہذب الاغانی میں نہیں ہے۔ صرف تیسرے ماخذ یعنی بستانی کی کتاب میں ہے مگر بستانی میں "علی" کے بجائے "مِن" ہے۔ پھر کیا یہ کاتب کی غلطی ہے کہ اس نے "من" کو بدل کر "علی" کر دیا؟ بظاہر ایسا نہیں ہے اس لیے کہ دونوں میں بہت بعد ہے راقم السطور کا گمان ہے کہ مضمون نگار نے یہ "علی" کی روایت شعراء النصرانیہ سے نقل کی ہے[۱] اگرچہ اس کا حوالہ نہیں دیا ہے حالانکہ بستانی کی روایت زیادہ صاف تھی اور انھوں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔ موجودہ صورت میں جبکہ انھوں نے "علی" کو اختیار کیا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ بستانی کی روایت میں "المُغارُ" اسم مفعول ہے اور "خاف" کا فاعل۔ موجودہ صورت میں "خاف" کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع کلیب ہے۔ "المُغارَ" مصدر میمی ہے اور ترکیب میں مفعول بہ منصوب۔ اس لیے کہ "خاف علیہ" کے معنی "اس سے ڈرنے" کے بجائے "اس کے لیے کسی چیز سے ڈرنے" کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے

إِنِّیٓ أَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیمٍ ۝ (اعراف ۵۹) مجھ کو تمہارے لیے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

اس کی مثالیں بہت ہیں۔ صحیح ترجمہ اس مصرعہ کا "علی" کی صورت میں یہ ہوگا:
جبکہ کلیب کو اندیشہ ہوتا کہ خود حملہ آور دشمن کے حملہ کی زد میں آجائے گا۔

(۶) دوسرا شعر ہے:

علی أن لیس عدلا من کلیب إذا طرد الیتیم عن الجزور

دوسرے مصرعہ کا ترجمہ کیا ہے:
جبکہ یتیم کو جڑسے اکھاڑ پھینکا جاتا تھا۔

---

[۱] شعراء النصرانیہ، لویس شیخو، بیروت ۱۸۹۰ء: ۱۶۹۔ اگر یہ گمان صحیح ہے تو شعراء النصرانیہ میں مہلہل کا قصیدہ چھتیس ۳۶ اشعار پر مشتمل ہے اور تکرار گیارہ اشعار میں ہے۔ ابوہلال عسکری کا قول اس میں بھی حاشیہ میں نقل کیا ہے۔

میں "جار" کا ترجمہ "پڑوسی" کے بجائے "پناہ دینے والا" کیا جائے گا۔ عربی میں "جار" پڑوسی کو بھی کہتے ہیں، پناہ دینے والے کو بھی اور جسے پناہ دی جائے اس کو بھی[1]۔ یہاں مستجیر (پناہ کا طالب) کے ساتھ آیا ہے تو اس کے معنی مجیر (پناہ دینے والا) ہوں گے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو دوسروں کو پناہ دیتے تھے وہی ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہوں۔ مستند روایت "جیران المجیر" کا مطلب یہ ہوگا کہ جب پناہ دینے والے کے پناہ گزینوں پر زیادتی ہو رہی ہو اور وہ بزدلی و کمزوری کا ثبوت دے رہا ہو۔

(۸) پانچواں شعر ہے:

علی أن لیس عدلا من کلیب إذا خاف المخوف من الثغور

دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یہ کیا ہے: جبکہ بزدل سرحدوں سے خوف کھانے لگتے تھے۔

یہاں بھی مضمون نگار نے امالی القالی اور مہذب الاغانی کی مستند روایت "خیف" کو اختیار نہیں کیا۔ امالی الیزیدی اور امالی المرتضی میں بھی "خیف" ہی ہے۔ اس صورت میں "المخوف" مرفوع نائب فاعل ہوگا۔ اور "خاف" کی صورت میں اس کا فاعل کلیب اور "المخوف" منصوب مفعول بہ ہوگا۔ شعراء النصرانیہ میں "خاف المخوف" (ضمہ کے ساتھ) لکھا ہے جو غلط ہے۔ مضمون نگار نے غلطی یہ کی ہے کہ "المخوف" کا ترجمہ "بزدل" کیا یعنی خائف کے معنی میں لیا ہے جبکہ "مخوف" خطرناک اور خوفناک کے معنی میں ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے:

جبکہ کلیب کو خطرناک سرحدوں کی جانب سے اندیشہ ہوتا۔

(۹) ص ۲۷ پر حارث بن عباد کے نام میں "عبّاد" کو عین مفتوحہ و با مشددہ سے جبار کے وزن پر لکھا ہے۔ یہ نہ کاتب کی غلطی ہے نہ مضمون نگار کی، بلکہ مضمون نگار کے ماخذ شعراء النصرانیہ کے مصنف لوئیس شیخو کی غلطی ہے۔ اس نے ہر جگہ ایسا ہی لکھا ہے۔ صحیح نام "عُبَاد" (عین مضمومہ و با مخففہ سے بروزن غبار) ہے۔ مہلہل کے مذکورہ بالا قصیدہ کا ایک شعر ہے:

هتکت به بیوت بنی عُبَادٍ وبعض القتل أشفی للصدور

"عبّاد" تشدید کے ساتھ پڑھیں گے تو شعر وزن سے خارج ہو جائے گا[2]۔

(۱۰) حارث بن عباد کے قصیدہ کا پہلا شعر جو بہت مشہور ہے یہ ہے:

قربا مربط النعامة منی لقحت حرب وائل عن حیال

---

[1] ملاحظہ ہو لسان العرب (جور) [2] مزید دلائل کے لیے دیکھئے سمط اللآلی: ۷۵۷

دوسرے مصرعہ کا ترجمہ کیا ہے: وائل کی جنگ طلب مبارزت سے پھر بھڑک اٹھی ہے۔
یہ "طلب مبارزت" کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ اگر "حیال" کا ہے تو صحیح نہیں۔ "لقحت الناقه عن حیال" کے معنی ہیں: ایک عرصہ کے بعد اونٹنی حاملہ ہوئی۔ جنگ کو اونٹنی سے تشبیہ دی ہے، کہتا ہے کہ وائل کی جنگ ایک مدت کے سکون کے بعد پھر چھڑ گئی ہے۔

(۱۱) ص ۷۴ پر عمرو بن کلثوم تغلبی کے معلقہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

بأی مشیئة عمرو بن هند تطیع بنا الوشاة و تزدرینا

دوسرے مصرعہ کا ترجمہ کیا ہے: تم ہم سے چاکری کرانا چاہتے ہو اور ہمیں حقیر سمجھتے ہو۔
"چاکری کرانا" کہاں سے آگیا؟ "الوشاۃ" کا ترجمہ کیوں نہیں کیا گیا؟ "اطاع" کے معنی ہیں کسی کی بات سننا، ماننا، اطاعت کرنا۔ "الوشاۃ" جمع ہے "الواشی" کی اور "تطیع" کا مفعول بہ ہے۔ مراد شاعر کے بدخواہ اور دشمن ہیں جو اس کے قبیلہ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتے ہیں۔ صحیح ترجمہ یہ ہے: تم ہمارے بارے میں ہمارے دشمنوں کی سنتے ہو اور ہم کو حقیر سمجھتے ہو۔

(ج)

(۱) کسی کتاب کا اقتباس نقل کیا جائے تو اصول یہ ہے کہ اگر اس کے الفاظ جوں کے توں نقل کئے جائیں تو منقولہ عبارت کو واوین کے اندر رکھنا چاہیے اور حوالہ بھی دینا چاہیے، تاکہ قاری کو واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ فلاں کی عبارت ہے اور اس کے الفاظ خود مضمون نگار کے الفاظ یا کسی اور اقتباس کے الفاظ سے خلط ملط نہ ہونے پائیں۔ لیکن اگر کسی مصنف کے خیالات کو اپنے لفظوں میں بیان کیا جائے تو صرف حوالہ دینا کافی ہے۔

عبید اللہ فہد صاحب دوسری کتابوں سے لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہیں مگر بغیر واوین کے اور آخر میں صرف حوالہ دیتے ہیں جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ منقولہ عبارت کہاں سے کہاں تک ہے اور ان کے الفاظ کتنے ہیں، مثلاً سورہ کافرون کے سلسلہ میں لکھتے ہیں (۷۹-۸۰)

"سورہ کافرون کو دیکھئے۔ پہلے فرمایا کہ "اے کافرو نہ میں پوجتا ہوں جسے تم لوگ پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جسے میں پوجتا ہوں" پھر اسی مضمون کا اعادہ اگلی چوتھی اور پانچویں آیات میں کیا گیا ہے:

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ

بلاغت کا تقاضا تھا کہ یہ اعلان براءت نہایت واضح اور موکد لفظوں میں کیا جاتا اور یہ بلاغت

دوسرے مصرعہ کا ترجمہ کیا ہے: وائل کی جنگ طلب مبارزت سے پھر بھڑک اٹھی ہے۔

یہ "طلب مبارزت" کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ اگر "حیال" کا ہے تو صحیح نہیں۔ "لقحت الناقة عن حیال" کے معنی ہیں: ایک عرصہ کے بعد اونٹنی حاملہ ہوئی۔ جنگ کو اونٹنی سے تشبیہ دی ہے، کہتا ہے کہ وائل کی جنگ ایک مدت کے سکون کے بعد پھر چھڑ گئی ہے۔

(۱۱) ص ۴۷ پر عمرو بن کلثوم تغلبی کے معلقہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

بأی مشیئة عمرو بن هند تطیع بنا الوشاة و تزدرینا

دوسرے مصرعہ کا ترجمہ کیا ہے: تم ہم سے چاکری کرانا چاہتے ہو اور ہمیں حقیر سمجھتے ہو۔

"چاکری کرانا" کہاں سے آگیا؟ "الوشاة" کا ترجمہ کیوں نہیں کیا گیا؟ "اطاع" کے معنی ہیں کسی کی بات سننا، ماننا، اطاعت کرنا۔ "الوشاة"۔ جمع ہے "الواشی" کی اور "تطیع" کا مفعول بہ ہے۔ مراد شاعر کے بدخواہ اور دشمن ہیں جو اس کے قبیلہ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتے ہیں۔ صحیح ترجمہ یہ ہے: تم ہمارے بارے میں ہمارے دشمنوں کی سنتے ہو اور ہم کو حقیر سمجھتے ہو۔

(ج)

(۱) کسی کتاب کا اقتباس نقل کیا جائے تو اصول یہ ہے کہ اگر اس کے الفاظ جوں کے توں نقل کئے جائیں تو منقولہ عبارت کو واوین کے اندر رکھنا چاہیے اور حوالہ بھی دینا چاہیے، تاکہ قاری کو واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ فلاں کی عبارت ہے اور اس کے الفاظ خود مضمون نگار کے الفاظ یا کسی اور اقتباس کے الفاظ سے خلط ملط نہ ہونے پائیں۔ لیکن اگر کسی مصنف کے خیالات کو اپنے لفظوں میں بیان کیا جائے تو صرف حوالہ دینا کافی ہے۔

عبید اللہ فہد صاحب دوسری کتابوں سے لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہیں مگر بغیر واوین کے اور آخر میں صرف حوالہ دیتے ہیں جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ منقولہ عبارت کہاں سے کہاں تک ہے اور ان کے الفاظ کتنے ہیں۔ مثلاً سورہ کافرون کے سلسلہ میں لکھتے ہیں (۷۹-۸۰)

"سورہ کافرون کو دیکھئے۔ پہلے فرمایا کہ "اے کافرو نہ میں پوجتا ہوں جسے تم لوگ پوجتے ہو اور نہ تم پوجتے ہو جسے میں پوجتا ہوں" پھر اسی مضمون کا اعادہ اگلی چوتھی اور پانچویں آیات میں کیا گیا ہے:

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ

بلاغت کا تقاضا تھا کہ یہ اعلان برات نہایت واضح اور موکد لفظوں میں کیا جاتا اور یہ بلاغت

قرآن کی خصوصیت ہے کہ اس میں کہیں بے فائدہ تکرار نہیں پائی جاتی، وہ ہر تکرار کے ساتھ کسی جدید فائدہ کا اضافہ ضرور کردیتا ہے۔ پس لفظ "عابدون" مستقبل کی تمام امیدوں کا خاتمہ کر رہا ہے اور "عبدتم" میں ان کے دین آبائی سے بیزاری کا اعلان ہے اور مقابلۃً اس میں زیادہ شدت اور نفرت کا اظہار ہے اس کی مثال سورہ انبیاء میں بھی موجود ہے۔"

"اظہار ہے"، پر حاشیہ ۱۷ کے تحت مجموعہ تفاسیر فراہی: ۳۰۷ کا حوالہ دیا ہے اور "موجود ہے" پر حاشیہ ۱۸ کے تحت سورہ انبیاء کی آیت درج کی ہے۔ ان دونوں حاشیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ "اظہار ہے" تک مولانا فراہی کا اقتباس ہے مگر ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اس کا پتہ نہیں چلتا

۲۔ جملہ "اس کی مثال سورہ انبیاء میں بھی موجود ہے" مولانا فراہی کا نہیں ہے بلکہ مضمون نگار کا نتیجۂ فکر ہے اور خود انھوں نے مولانا کی تشریح کی تائید کے طور پر اسے نقل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ

۱۔ "بلاغت کا تقاضا" سے لے کر "سورہ انبیاء میں ہے" تک پوری عبارت مولانا فراہی کی ہے[1]

۲۔ فرق یہ ہے کہ مولانا نے سورہ انبیاء کی آیت بھی متن میں لکھی ہے اور مضمون نگار نے اسے حاشیہ میں کر دیا ہے۔

(۲) یہ بھی غنیمت تھا مگر اس وقت ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب یہ دیکھا کہ بہت سی عبارتیں دوسری کتابوں سے لفظ بہ لفظ یا معمولی تصرف کے ساتھ نقل کی ہیں اور سرے سے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ ذیل میں دونوں قسم کی مثالیں دی جاتی ہیں:

۱۔ ص ۶۲ پر لکھا ہے:

اس کے بعد وہی (آیت ترجیع ہے اور اس کا موقع یہ ہے کہ دوبارہ پیدا کئے جانے پر جو شبہات وارد کئے جا رہے ہیں ان کی تردید کے لیے تو خود ان کی خلقت ہی کافی ہے۔ ایک دن وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور وہ جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہی خرابی کا دن ہوگا)

"آیت ترجیع" سے "دن ہوگا" تک کی عبارت جو ہم نے قوسین کے درمیان لکھی ہے لفظ بہ لفظ تدبر قرآن جلد ہشتم ص ۱۳۹ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ص ۶۲ پر ہے:

"اس سورہ کی ایک ایک ترجیع اپنے محل میں اس طرح جڑی ہوئی ہے جس طرح انگشتری میں نگینہ ہوتا ہے"

---

[1] "بھی موجود" مجموعہ تفاسیر طبع دوم میں نہیں ہے۔ غالباً مضمون نگار نے اس کا اضافہ کیا ہے۔

یہ عبارت لفظ بہ لفظ تدبر قرآن جلد ہفتم ص ۱۱۹ سے ماخوذ ہے۔

۳۔ اسی صفحہ ۶۳ پر ہے:

"ہر قدم پر تمہارے سامنے تمہارے رب کی وہ نعمتیں موجود ہیں جو تمہیں مسئولیت کا احساس دلا رہی ہیں لیکن تم انکار کیے جا رہے ہو تو اس کی کن کن عنایتوں کی تکذیب کرو گے؟"

یہ عبارت تدبر قرآن جلد ہفتم ص ۱۳۲ پر ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ تدبر میں "مسئولیت کا احساس دلا رہی ہیں" کی جگہ پر "روز باز پرس کی یاد دہانی کرا رہی ہیں" اور "عنایتوں" سے پہلے "نعمتوں" کا لفظ بھی ہے۔

۴۔ ص ۶۲ پر یہ عبارت "گزرے ہوئے واقعات، تاریخ کے آثار اور آزمائی ہوئی سنت اللہ سے شہادت پیش کی ہے" ذرا تصرف سے مجموعۂ تفاسیر: ۲۳۱ سے ماخوذ ہے۔

۵۔ ص ۶۴ پر "جس خدا کی عظمت و شان کا حال یہ ہے کہ مشرق و مغرب سب اس کے زیر نگیں ہیں اگر اس کے انذار کو ہوائی سمجھتے ہو تو آخر اس کی کن کن عظمتوں کا انکار کرو گے" ذرا تصرف سے تدبر قرآن جلد ہفتم ص ۱۴۴ سے ماخوذ ہے

۶۔ اسی صفحہ ۶۴ پر "اگر ان روشن شواہد کے بعد بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے دیوی دیوتا خدا کی پکڑ سے تم کو بچا لیں گے تو آخر اپنے رب کی کن کن نشانیوں کو جھٹلاؤ گے؟" معمولی تغیر کے ساتھ تدبر قرآن کے سابق الذکر صفحہ پر ہے۔

۷۔ ص ۶۳ پر یہ نو (۹) سطروں کی طویل عبارت: "یہاں منکرین حق کو........ جھٹلاؤ گے" تدبر جلد ہفتم ص ۱۲۰ سے معمولی تغیر کے ساتھ ماخوذ ہے۔

(۳) صفحہ ۶۱ پر ایک اور ہی اعجوبہ ہے، سات سطروں کی اسی عبارت "اس آیت سے پہلے یہ بات ارشاد ہوئی..... کیوں بے قرار ہو" کے آخر میں حوالہ الکشاف ۴: ۳۴۹ کا ہے، حالانکہ یہ پوری عبارت معمولی تصرف کے ساتھ تدبر قرآن جلد ہفتم ص ۱۰۰ سے ماخوذ ہے۔

اسی طرح ایک طویل پیراگراف دس سطروں کا جو ص ۶۱ پر "یہاں خطاب ان ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں سے ہے" سے شروع ہوتا ہے اور ص ۶۲ پر "بڑی سے بڑی تفصیل کے اندر بھی سما نہیں سکتی" پر ختم ہوتا ہے، اس کے آخر میں تفسیر ابن کثیر ۴: ۶۰۴ اور تفسیر فی ظلال القرآن ۲۹: ۲۳۴ کا حوالہ ہے۔ گویا پورے پیراگراف میں جو بات کہی گئی ہے وہ دونوں مذکورہ تفسیروں سے ماخوذ ہے۔ حالانکہ واقعہ کچھ اور ہی ہے ابتدائی سات سطریں تدبر قرآن جلد ہشتم ص ۱۲۳ سے ماخوذ ہیں۔ آخری تین سطروں کے بارے میں گمان تھا کہ شاید وہی ابن کثیر اور فی ظلال القرآن میں ہوں مگر ان دونوں کتابوں کے مذکورہ صفحات

میں بھی ایسی کوئی بات نہیں اب یہ گتھی عبید اللہ فہد صاحب ہی حل کر سکتے ہیں!

(۴) بعض ایسی کتابوں کا حوالہ مضمون نگار نے دیا ہے جنھیں خود انھوں نے غالباً نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ کسی اور کتاب میں ان کا حوالہ نظر آیا اور وہیں سے نقل کرلیا۔ آپ اسے بدگمانی کہہ سکتے ہیں مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں مثال کے طور پر ص۔ ۷ پر عوف بن عطیہ کے شعر کے سلسلہ میں انھوں نے پانچ کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ۱۔ المفضل ابوالعباس، المفضلیات بتشریح حسن السندوبی ۱۳۴۵ھ ص ۱۹۹
۲۔ الصاحبی ص ۱۹۴ - ۳۔ سیبویہ ۱: ۳۳۱ ۴۔ تاویل مشکل القرآن ص ۱۸۳۔ ۵۔ الباقلانی اعجاز القرآن، تحقیق السید احمد الصقر[1] دارالمعارف مصر ص ۱۶۰۔

ان پانچ ماخذ میں سے دو کتابیں الصاحبی اور سیبویہ ہمارے خیال میں انھوں نے خود نہیں دیکھی ہیں بلکہ ان کا حوالہ اعجاز القرآن یا تاویل مشکل القرآن کے حاشیہ سے نقل کیا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ

۱۔ دوسرے ماخذ کے برخلاف ان دونوں کتابوں کا حوالہ نامکمل ہے۔ سیبویہ کی تاریخ طباعت و مقام طباعت اور الصاحبی کے مصنف اور تاریخ و مقام طباعت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۲۔ سیبویہ کے اس ایڈیشن کے حاشیہ پر الاعلم شنتمری کی شرح شواہد چھپی ہے۔ نیز سیبویہ اور صاحبی کی روایت میں "تصلی" کی جگہ "تشقی" ہے جیسا کہ گزر چکا۔ اگر مضمون نگار نے یہ کتابیں خاص طور پر سیبویہ دیکھی ہوتی تو شعر کے ترجمہ میں اتنی غلطیاں نہ کرتے۔

(۵) ص ۷۱ پر مہلہل کے اشعار کے لیے بالترتیب تین کتابوں امالی القالی، مہذب الاغانی اور فواد افرام بستانی کا حوالہ دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اشعار امالی القالی سے ماخوذ ہیں، حالانکہ جیسا گزر چکا یہ اشعار آخری کتاب بستانی کی المہلہل سے ماخوذ ہیں۔ صحیح طریقہ یہ تھا کہ یہ اشعار امالی القالی سے نقل کئے جاتے جو قدیم اور مستند ماخذ ہے۔ مہذب الاغانی کا حوالہ بھی دیا جا سکتا تھا اگرچہ اس کی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ اس نے بھی امالی وغیرہ ہی سے یہ اشعار نقل کیے ہیں۔ امالی کی موجودگی میں فواد افرام بستانی کی کتاب پر اعتماد کرنا کسی طرح معقول نہ تھا لیکن جب اس کو اصل ماخذ بنا ہی لیا تھا تو اس کا حوالہ پہلے دینا چاہیے تھا، بعد میں امالی وغیرہ کا ذکر ہوتا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ امالی القالی اور مہذب الاغانی بھی مضمون نگار کی نظر سے نہ گزری ہوں اور یہ حوالہ بھی کسی اور جگہ سے نقل کر دیا گیا ہو اس لیے کہ بستانی کا حوالہ تو مکمل یعنی مصنف اور سنِ طباعت کے ذکر کے ساتھ ہے مگر امالی اور مہذب الاغانی

---

[1] محقق کا صحیح نام السید احمد صقر (ال کے بغیر) ہے۔

کا حوالہ بالکل نامکمل ہے۔ امالی کے صرف مصنف کا ذکر کیا گیا ہے اور مہذب الاغانی کے نہ مصنف کا ذکر ہے نہ مقام طباعت کا۔ کہیں تو اتنا اہتمام کہ مغربی طریقہ کی پیروی میں مصنف کا نام "الفراہی حمید الدین" (ص ۸۰ حالانکہ مولانا کی کسی کتاب پر "حمید الدین" کے ساتھ "الفراہی" نہیں لکھا ہے، نہ مولانا اس طرح لکھتے تھے۔ وہ "عبد الحمید الفراہی" لکھا کرتے تھے) لکھا ہے اور کہیں کتاب کے نام ہی کو کافی سمجھ لیا گیا!

(۶) ص ۸۷ پر لکھتے ہیں:

تکرار کا یہ اسلوب تاکید کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً کسی حماسی شاعر کا کہنا ہے:

الی معدن العز المؤثل والندی هنالک هنالک الفضل والخلق الجزل

اور حوالہ البلاغۃ الواضحہ کا دیا ہے! البلاغۃ الواضحہ ایک جدید درسی کتاب ہے اس کا حوالہ کسی علمی مضمون میں ہرگز مناسب نہیں ہے۔ پھر جب شاعر "حماسی" ہے تو حماسۂ ابی تمام کوئی نایاب کتاب نہیں ہے۔ ہر قابل ذکر عربی مدرسہ میں موجود ہے، اور مضمون نگار تو علی گڑھ جیسی جگہ پر ہیں جہاں نفیس کتب خانے ہیں۔

حماسہ کی جانب رجوع کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ کسی شاعر کا صرف "حماسی" ہونا استشہاد کے لیے کافی نہیں ہے۔ حماسہ میں اگر ایک طرف جاہلی شعرا کا کلام ہے تو دوسری طرف عباسی دور کے شعرا مثلاً دعبل خزاعی مسلم بن الولید اور عبد اللہ بن المقفع کے اشعار بھی ہیں جو دور استشہاد کے بعد کے شعرا ہیں۔ اس لیے متعین طور پر معلوم کرنا چاہیے کہ یہ شعر کس کا ہے۔ حسن اتفاق سے یہ شعر خلف بن خلیفہ کا ہے جو جریر و فرزدق کا معاصر ہے۔

حماسہ کی جانب رجوع کرنا یہ معلوم کرنے کے لیے بھی ضروری تھا کہ "إلی معدن العز" میں حرف جر "إلی" کا تعلق کس سے ہے تاکہ صحیح ترجمہ کیا جا سکے۔ مضمون نگار نے اپنی طرف سے "چلو" کا اضافہ کر کے یہ ترجمہ کیا ہے:

"چلو عزت و اقتدار کے مرکز کی طرف جو بہت عظیم ہے، سراپا سخاوت ہے"

اگر حماسہ دیکھی ہوتی تو معلوم ہوتا کہ اس قطعہ کا پہلا شعر یہ ہے:

عدلت إلی فخر العشیرة والهوی الیهم وفی تعداد مجدهم شغل

اس کے بعد چوتھے شعر تک جسے مضمون نگار نے نقل کیا ہے مسلسل "الی" کی تکرار ہے الی معدن العز" ظاہر ہے "الی فخر العشیرة" سے بدل ہے یعنی میں نے اپنا رخ تو ان لوگوں کو بنایا ہے جو ایسے اور ایسے ہیں۔[۱]

---

[۱] دیوان الحماسہ بروایت جوالیقی، تحقیق عبد المنعم احمد صالح، دار الرشید بغداد ۱۹۸۰ء ص ۵۹۷

(۷) اسی طرح ص ۸۱ پر حسین بن مطیر (رسالہ میں "خطیر" ت ت۔ طباعت کی غلطی ہے) کے دو شعروں کے لیے اس البلاغۃ الواضحہ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ انھیں بھی کسی مستند کتاب مثلاً حماسہ ابی تمام سے نقل کرنا تھا[۱]

(۸) اسی صفحہ پر البلاغۃ الواضحہ ہی سے یہ دو شعر بھی نقل کیے ہیں:

یامن أحسّ بنیّی اللذین هما ‏ ‏ كالدرتين تشظى عنهما الصدف

یامن أحسّ بنیّی اللذین هما ‏ ‏ سمعي وطرفي فطرفي اليوم مختطف

اور لکھا ہے: ایک اعرابیہ اپنے بچے کا مرثیہ یوں لکھتی ہے حالانکہ یہ شعر کسی اعرابیہ کے نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے چھوٹے بھائی حضرت عبیداللہ بن عباسؓ کو یمن کی بیگم ام الحکیم کے ہیں۔ سنہ ۴۰ھ میں جب حضرت عبیداللہ حضرت علی سے ملاقات کو تشریف لے گئے تھے بسر بن ارطاۃ نے ان کے دو صاحبزادوں عبدالرحمن اور قثم کو ان کی والدہ ام الحکیم سے جو انھیں اپنے دامن میں چھپائے ہوئے تھیں چھین کر قتل کر دیا تھا۔ اس پر ام الحکیم نے یہ شعر کہے تھے ماخذ میں "یامن احس" کی تکرار تین شعروں میں ہے۔ تیسرا شعر ہے:

یامن احس بنیّی اللذین هما ‏ ‏ مخ العظام فمخي اليوم مزدهف[۲]

---

[۱] حوالہ سابق: ۲۶۵ ‏ ‏ [۲] الکامل۔ المبرد۔ تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم دار نہضۃ مصر قاہرہ ۴: ۳۲-۳۴
مروج الذہب۔ مسعودی۔ تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید۔ مطبعۃ السعادۃ ۱۳۶۷ھ ۳: ۳۰-۳۱